Lesson 32. Al-Baqarah (Ayaat 243 - 252): Day 106 سُوْرَۃُالبَقَرَۃ کی تفسیر

لفظی وضاحت:

خَرَجُوا: خ ر ج، نکلنا۔ خروج کسی ملک سے نکلنے کے معنی ہیں۔

دِيَارِهِمْ: دور، دی ر، دار واحد اور معنی گھر۔ جمع دیار، گھروں

اُلُوْفٌ: ال و۔ الف۔ الفت۔ بہت محبت۔ الوف ہزاروں۔ الف لیلہ کی کہانیاں

مُوْتُوْا: فعلِ امر، حکم ہے۔ موت۔ مر جاؤ۔

اَحْيَاهُمْ: ہم نے اُن کو زندہ کیا۔

لَذُوْ فَضْلٍ: ل یہاں تاکید کے لئے ہے۔ اللہ بہت فضل والا ہے۔

وَقَاتِلُوْا: فعل امر، تم لڑو۔ وَاعْلَمُوْا: ع ل م۔ علم

سَمِيْعٌ: س م ع: سُننا۔ ہر ذی روح کی بات کو سُننے والا۔

مَنْ: جو؟ سوال ہے۔ کون ہے

يُقْرِضُ: قرض ایسا مال جو کسی کو اس اُمید پر دیا جائے کہ واپس ملے گا۔

قَرْضًا حَسَنًا: ایسا مال جس کے بدلے میں بہترین اَجر ملنے کی اُمید ہو۔ جو انسان واپس نہ لینا نہ چاہے۔ اللہ کی رضا کے لئے دیا جائے۔

فَيُضٰعِفَهٗ: ف فوراً کے لئے۔ کئی گنا کرنا۔ بہت زیادہ بڑھ جانا۔ اضافہ کرنا۔ دوگنا چوگنا ہو جانا

يَقْبِضُ: قبضہ کرنا۔ پکڑنا روکنا۔ وَيَبْصُۜطُ: وسعت پیدا کرنا۔ ص کے اوپر س لگی ہے۔ س کا مخرج مشکل تھا۔ اصل لفظ یبسط تھا۔ باسط۔ پھیلانے والا۔ کشادگی کے معنی ہیں۔

الْمَلَاِ: کسی قوم کے اشراف۔ سیاست دان، میڈیا کے لوگ۔ جن کے پاس لوگ جمع رہتے ہیں۔

ابْعَثْ: مقرر کریں۔ مبعوث کریں۔ مَلِكًا: یہاں بادشاہ کے معنی ہیں۔ لیڈر، لشکر کا سالار

هَلْ: سوالیہ لفظ، کلمۂ استفہام۔ کلام میں تاکید۔ كُتِبَ: مقرر کیا

عَسَيْتُمْ: ع س ی۔ کسی بات کے بہت قریب۔ شائد ہو جائے یا نہیں ہو۔

اَبْنَآئِنَا: ابنُ کی جمع ہے۔ معنی بیٹے اِلَّا: مگر، یہ کلمۂ استثناء ہے۔

طَالُوْتَ: ط و ل۔ یہاں نام ہے۔ بہت لمبا شخص کو کہتے ہیں۔

اَنّٰى: سوال ہے۔ سَعَةً: و گر گیا ہے۔ و س ع۔ وسعت معنی ہیں حروفِ علّت میں سے ہے۔

اصْطَفٰىهُ: چُننا اور منتخب کرنا۔ پسند کیا اُس کو۔

يُؤْتِيْ: مجہول ہے۔ اللہ جس کو دینا چاہے۔

يَّشَآءُ: اللہ جسے چاہے۔ مشیت۔ اللہ کی مرضی

التَّابُوْتُ: صندق۔ سَكِيْنَةٌ: س ک ن: تسکین۔ طمانیت

بَقِيَّةٌ: جو باقی رہ جائے۔ محفوظ ہو **تَرَكَ**: چھوڑنا۔ ترک کرنا، ترکہ چھوڑ جانا

اٰلُ: بڑے لوگوں کی آل۔ گھر والے۔ اولاد۔ پیچھے رہ جانے والے۔ عام لوگوں کے اھل۔

لَاٰيَةً: آیت معنی نشانی۔ واحد ہے اور جمع نشانیاں، آیات

فَصَلَ: فصل۔ جدا ہونا۔ نکلنا۔ وطن سے جدا ہونا

بِالْجُنُوْدِ: ج ن د۔ جندٌ واحد ہے۔ گروہ۔ لشکر

مُبْتَلِيْكُمْ: ابتلاً۔ مبتلا۔ ب ل ی۔ آزمائش

اغْتَرَفَ غُرْفَةً: غ ر ف۔ غرفۃٌ۔ ایک چلّو۔ اپنے ہاتھ سے، اغترف، بھرنا

جَاوَزَ: ج وز۔ آگے بڑھنا

يَظُنُّوْنَ: عربی کے کچھ لفظ دونوں معنی میں آتے ہیں یعنی مخالف، متضاد معنی میں۔ گمان اور یقین دونوں معنی ہیں۔

فِئَةٍ: چھوٹی **بَرَزُوْا**: کھلا میدان۔ مقابلے کے لئے شہر سے باہر آجانا

اَفْرِغْ: ف رغ۔ ڈال دے۔ انڈیلنا۔ نازل فرما

اَقْدَامَنَا: قدم کی جمع۔ اقدام۔ ہمارے قدم

فَهَزَمُوْهُمْ: ھ زم۔ شکست دی۔ پس اُن کو شکست دی

دَاوٗدُ: مشہور پیغمبر ہیں۔ بنی اسرائیل سے تھے۔ قرآن پاک میں ان کا ذکر 16 بار آیا ہے۔ پورا نام داؤدؑ بن یسعی بن عبید تھا۔ ان کا زمانہ موسیٰؑ سے پہلے 1024 سے لے کر 963 قبل مسیح کا تھا۔ عیسیٰؑ سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے آئے تھے۔

دَفۡعُ: دف ع۔ دور کرنا۔ **لَّفَسَدَتِ**: ف س د۔ فساد۔

الۡمُرۡسَلِيۡنَ: ر س ل۔ مرسل کی جمع۔ رسول۔ پیغمبروں

سبق کا خلاصہ:

خلاصے کے اعتبار سے آج کا سبق بہت اہم ہے۔ یوں لگتا ہے کہ موضوع بدل رہا ہے۔

پچھلے اسباق میں ہم نے طلاق اور عدّت کے بارے میں پڑھا۔ طلاق سے گھر ٹوٹ جاتے ہیں۔ طلاق سے ایک گھر کی موت ہو جاتی ہے۔ رجوع سے دوبارہ زندگی ملتی ہے۔

اسی طرح اب اللہ کے راستے میں زندگی اور موت کی بات ہو گی۔ آیت بِرّ سے ہم نے سیکھا تھا کہ سورۃ البقرہ میں چار لڑیاں (موضوع) ساتھ ساتھ پروئی ہوئی ہیں۔ اُن میں سے ایک موضوع جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ یہ سورت مدنی دور کے آغاز میں نازل ہوئی۔ مدینہ کی پہلی سورت ہے۔

تیرہ سال تک مکّہ میں صحابہ کرامؓ نے صبر کیا۔ اُنؓ سے فرمایا گیا کہ ابھی تیاری نہیں ہے۔

اب مدینہ میں ایک نیادور شروع ہُوا۔ کچھ عرصے بعد غزوۂ بدر ہونے والا تھا۔ اُس کی ذہنی تیاری کی جا رہی ہے۔

صحابہ کرامؓ کو ذہنی طور پر تیار کیا جارہا ہے کہ اب جب ضرورت پڑی سب کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلنا ہو گا۔ باتیں بہت لوگ کرتے ہیں لیکن عملی طور پر کم لوگ آگے آتے ہیں۔

اس لئے یہاں مسلمانوں کو نصیحت کی جارہی ہے۔ یہاں بنی اسرائیل کے غزوۂ بدر کا ذکر کیا جارہا ہے کہ جب اُن کو جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا تو انہوں نے کیا کیا۔

یہاں کچھ تاریخ کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ در حقیقت کیا ہوا تھا؛

بنی اسرائیل غلام تھے، فرعون اُن پر ظلم کرتا۔ موسیٰؑ مبعوث ہوئے۔ بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چل پڑے۔ فرعون اور اسکے لشکر نے پیچھا کیا۔ وہ اور اسکا لشکر ڈوب کر مر گئے۔ موسیٰؑ اور بنی اسرائیل نے شام جانا تھا۔ راستے میں کچھ واقعات پیش آئے جو ہم نے پیچھے پڑھ لئے۔ اللہ نے بنی اسرائیل پر احسانات کیئے۔ وہاں پر قوم امالکہ کا قبضہ تھا۔ یہ قوم عاد کے کچھ بچے کھچے لوگ تھے۔ اونچے لمبے طاقتور۔

موسیٰؑ نے جب بنی اسرائیل سے کہا کہ آؤ اِن سے لڑائی کر کے اپنا ملک واپس لیں۔

کہ آؤ جہاد کریں اللہ ہماری مدد کرے گا۔ تو انہوں نے انکار کر دیا کہ سورۃ اعراف میں آئے گا کہ انہوں نے کہا کہ موسیٰؑ تم اور تمہارا ربّ اُن سے لڑو۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ وہ طاقتور لوگ ہیں ہم ان سے نہیں لڑ سکتے۔ جہاد سے انکار کی سزا یہ ملی کہ 40 سال تک اُسی وادی میں بیٹھے رہے۔

نئے لوگ پیدا ہوئے۔ موسیٰؑ وفات پا گئے۔ یوشع بن نونؑ جو موسیٰؑ کے شاگرد تھے اور نبی بھی، اُن کی لیڈرشپ میں جہاد کیا تو پھر فلسطین فتح ہو گیا۔ موسیٰؑ کا خواب 40 سال بعد پورا ہُوا۔

بنی اسرائیل فلسطین میں رہنے لگے۔ بیت المقدس واپس مل گیا۔ ان کو مضبوط حکومت بنانی چاہیئے تھیں لیکن انہوں نے چھوٹی چھوٹی بارہ حکومتیں بنا لیں۔ یوں سمجھ لیں بارہ فرقے بن گئے۔

دوسروں کے ساتھ مل کر وہی کام کرتے ہیں جن میں عاجزی ہو گی۔ جو خود کو ہی سب کچھ سمجھے گا وہ دوسروں کے ساتھ مل کر کام نہیں کر سکے گا۔

اب بارہ لیڈر اور بارہ قبیلے۔ ایک کی لیڈرشپ میں اکٹھے نہیں ہوئے۔

اب بارہ گروہوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ میرا فرقہ اچھا ہے اور فلاں فلاں۔

آپس کی لڑائی نے ان کو کمزور کر دیا۔ اور تین سو سال بعد دوبارہ اما لکہ نامی قوم نے ان پر قبضہ کر لیا۔

یہاں تک کہ ان کے توریت کے نسخے، من و سلویٰ کا کچھ حصّہ، موسیٰؑ کا عصا۔ سب کچھ اس دور کے مشرکین کے پاس چلا گیا۔

جب بھی کوئی مسلم قوم عقیدے اور عمل میں کمزور ہوتی ہے، اُن کو تبرکات پیارے ہو جاتے ہیں اور عمل کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ اللہ کے احکامات کو بھول گئے، دولت کے پیچھے پڑ گئے اور آپس میں لڑتے رہے۔ سب تبرکات کو انہوں نے ایک صندوق جس کو تابوتِ سکینہ کہتے ہیں، میں رکھ دیا۔

(آج بھی ان کی کتابوں میں اس کا ذِکر ملتا ہے)۔

یہ ایسے ہی ہے کہ خود کچھ نہ کرو لیکن کسی بزرگ کا جوتا، کسی کی کتاب یا کسی کا نقش سنبھال کر رکھ لو کہ برکت ملے گی۔

جب دشمن ان سے لڑتے تو یہ تابوتِ سکینہ کو سامنے رکھتے کہ اس سے برکت ملے گی۔ اب دشمن اِن کا وہ تابوتِ سکینہ ہی اُٹھا کر لے گئے۔

آج ہمارے ورثے بھی مغربی ملکوں میں پڑے ہیں۔

وہ تابوتِ سکینہ جانے سے یہ روحانی اور جذباتی طور پر مزید نیچے چلے گئے۔ یعنی ہمت ہی ٹوٹ گئی۔

اب یہ تابوتِ سکینہ واپس لینے کے لئے کوششیں کرنے لگے۔ ان کو چاہئے تھا کہ اللہ کی کتاب سے جڑتے، توبہ استغفار کرتے۔ اپنے آپ کو اکٹھا کرتے اور اللہ کی مدد ان کو مل جاتی۔ اس دوران ان میں نبیؑ آتے رہے اور یہ اُنؑ کا انکار کرتے رہے۔ ایک نبی سیموئیلؑ اِن میں آئے۔

بنی اسرائیل نے نبیؑ سیموئیل سے کہا کہ آپ ہم پر ایک لیڈر مقرر کر دیں۔ ہم اپنا تابوتِ سکینہ واپس لینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے سوچا تو یہ تھا کہ جس طرح اُس دور میں طاقتور ملکوں میں بادشاہ ہوتے ہیں۔ ہم بھی اُن کی طرح بادشاہ بنائیں تاکہ فتح مل جائے۔ حالانکہ اسلام میں بادشاہت نہیں ہے۔

آج کی زبان میں یہ سمجھ لیں کہ اگر مسلمان یہ سمجھ لیں کہ اگر ہم مغربی ملکوں کی نقل کریں گے تو ہم ترقی کرینگے۔ اللہ نے نبیؑ سیموئیل مقرر کر دیا۔ لیکن قوم ہی اللہ کے احکامات سے دور ہو تو کامیابی اور فلاح کیسے ملے گی؟

آج بھی ہم ایسی ہی باتیں کرتے ہیں کہ حکمران ہی اچھے نہیں۔ لیکن قوم خود کو نہیں بدلتی۔

بنی اسرائیل نے جب لیڈر مانگا تو نبیؑ نے طالوت کو ان کا لیڈر بنا دیا۔ وہ بہترین سپہ سالار تھے۔ انہوں نے جب اِن کو کچھ احکامات دیئے تو انہوں نے اُن کی شرائط نہ مانیں۔

یہ سب موسیٰؑ کے بعد ہُوا۔

یہ سب آیات یہاں کیوں آئیں؟ مسلمانوں کو سبق دینے کے لئے کہ دیکھو تم بنی اسرائیل کی طرح نہ کرنا ورنہ ناکامی ملے گی۔ بعض مفسّرین کہتے ہیں کہ یہ واقعہ موسیٰؑ کے صحابہ کا ہے یہ اُس وقت کی خلافتِ راشدہ تھی۔ موسیٰؑ کے تین سو سال بعد وہ بکھر گئے، اُن پر زوال آ گیا۔

اُمّتِ مُسلمہ کے ساتھ بھی نبی کریمؐ کے بعد خلافتِ راشدہ تک تو ٹھیک تھا۔ لیکن پھر مسلمانوں پر زوال آ گیا۔ جب کوئی قوم اللہ سے دور ہوتی ہے تو پھر ناکام ہو جاتی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو (شمار میں) ہزاروں ہی تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے۔ تو خدا نے ان کو حکم دیا کہ مر جاؤ۔ پھر ان کو زندہ بھی کر دیا۔ کچھ شک نہیں کہ خدا لوگوں پر مہربانی رکھتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ﴿۲۴۳﴾

کچھ مفسّرین کہتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل ہی کا قصّہ ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ یہ کسی اور پُرانی قوم کا قصّہ ہے۔ اس کی تفصیل ہمیں روایات سے نہیں ملتی۔ کچھ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے طرف بھیجے گئے ایک نبیؑ ثقیل کی قوم کا قصّہ ہے۔ اس قوم کی طرف طاعون کی بیماری آئی تو یہ بیماری سے بچنے کے لئے اپنے شہر سے نکل پڑے۔ وہ جان بچانے کے لئے اپنے شہر سے نکلے۔

یہاں مسلمانوں کے بارے میں بتایا جارہا ہے کہ مکّہ سے اپنے گھر بار چھوڑ کر جان بچانے کے لئے نہیں بلکہ ایمان بچانے کے لئے نکلے تھے۔ ہجرت جان بچانے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ ایمان کی خاطر ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ اپنی تھوڑی تعداد پر فکر نہ کرو۔

اس کی تفصیل سورۃ مائدہ کے چوتھے رکوع میں آئے گی۔ یہ لوگ اپنی کتابوں میں اس کو خروج کہتے ہیں۔ یہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ یہ ادھر اُدھر بھٹکتے تھے۔ اللہ نے ان کو بتادیا کہ موت سے بھاگ نہیں سکتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ چار ہزار لوگ تھے جو موت سے ڈر کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں۔

اسلام کا اس بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر کبھی ایسی بیماری آجائے جو ایک سے دوسرے کو لگتی ہو، تو اُس شہر کے رہنے والے وہاں ہی رہیں۔ وہ شہر یا علاقہ چھوڑ کر نہ جائیں۔ لیکن باہر والے نہ آئیں۔ جہاں جو بیماری ہوتی ہے تو اللہ کی طرف سے ان کی بیماری میں اُس سے لڑنے والے جراثیم بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ باہر والے اپنا دفاع نہیں کر سکیں گے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں بھی یہ بیماری آئی تو عمرؓ نے ایک صحابیؓ سے یہ حکم سُن کر اُس علاقے سے باہر جانے سے سب کو روک دیا تھا۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ اور (مسلمانو) خدا کی راہ میں جہاد کرو اور جان رکھو کہ خدا (سب کچھ) جانتا ہے۔

پیغام یہ ہے کہ موت سے نہیں بچ سکتے۔ خالد بن ولیدؓ نے 90 جنگیں لڑیں۔ لیکن اپنے بستر پر طبعی موت آئی۔ اُن کا ایک قول بہت مشہور ہے "کوئی جائے اور بزدلوں کو میرا یہ پیغام دے کہ جو اس ڈر

سے جہاد نہیں کرتے کہ موت آجائے گی، مجھے دیکھو ساری زندگی جہاد میں گزری اور دیکھو موت بستر پر آرہی ہے۔" نورالقران ویب سائٹ پر خالد بن ولیدؓ پر ایک پورا درس ہے۔

اللہ کے نبیؐ سے ان کو لقب ملا تھا "سیف اللہ" خالد بن ولیدؓ کو بڑا املال تھا کہ پتا نہیں مجھے شہادت کیوں نہیں ملی، پتا نہیں اللہ کو میری نیکی پسند نہیں آئی۔ ان کی بیوی نے ان کو تسلی دی اور فرمایا؛

جس دن اللہ کے نبیؐ نے آپ کو سیف اللہ کہا تھا تو میں اُسی دن سمجھ گئی تھی کہ اللہ کی تلوار کسی کافر کے ہاتھوں نہیں ٹوٹے گی"

موت اپنے وقت پر آتی ہے۔ اللہ نے یہی فرمایا کہ اپنی اصلاح کرو۔ یہاں اللہ کے کس فضل کی طرف اشارہ ہے؟ ہم صاحبِ فضل کس کو کہتے ہیں؟

پیسہ، مال، بڑے گھر کے بارے میں نہیں کہا بلکہ صحابہ کرامؓ سے کہا جارہا ہے کہ اللہ کے لئے جہاد کرو۔

ابو موسیٰ الاشعری سے روایت ہے۔ حدیث: کچھ لوگ اپنی بہادری دکھانے کے لئے لڑتے ہیں۔ کچھ اپنے ملک و قوم کے لئے لڑتے ہیں۔ ایک ریاکاری (شو آف) کے لئے لڑتا ہے۔ ان میں سے کون اللہ کی خاطر لڑتا ہے؟ (مثال کہ اگر کوئی صرف اپنے وطن پر جان دیتا ہے تو وہ بھی اللہ کی خاطر جہاد نہیں ہوگا۔) نیّت صرف اللہ کی خاطر جنگ کی ہونی چاہیے۔

من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا فهو فی سبیل الله جہاد تو وہی ہے جو صرف اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے کیا جائے۔ (بخاری و مسلم)

آج اُس طرح کا جہاد تو نہیں ہے لیکن ہم کیا کریں؟

ہم علم کا جہاد کریں۔ اللہ کی خاطر اللہ کے دین کے لئے کام کریں۔ اپنی نیّتوں کو دیکھیں۔

مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضۡعَافًا كَثِيۡرَةً ‌ؕ وَاللّٰهُ يَقۡبِضُ وَيَبۡصُۜطُ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۴۵﴾ کوئی ہے کہ خدا کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے گا۔ اور خدا ہی روزی کو تنگ کرتا اور (وہی اسے) کشادہ کرتا ہے۔ اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

جہاد کے ساتھ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی بات آئی۔ یہ بات سن کر تین طرح کے لوگ سامنے آتے ہیں۔

1. یہ وہ کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ۔ یعنی اللہ ہم سے مانگتا ہے، ہم امیر ہیں۔ ایک یہودی بدبخت نے یہ کہا۔ سورہ مائدہ میں آئے گا۔ کھل کر انکار کر دیا۔
2. یہ گروہ اس آیت کو سن کر کہتے ہیں۔ ابھی خرچ بہت ہیں۔ ابھی پیسہ نہیں ہے۔ بہانے کر دیئے۔
3. اور یہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمارا سب کچھ اللہ کا ہے۔

ابو دردہؓ کا یہ واقعہ ہر تفسیر سے ملے گا۔ یہ آیت سن کر اللہ کے نبیؐ کے پاس گئے کہ اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ اللہ کے نبیؐ نے فرمایا کہ ہاں تاکہ تمہیں بڑھا چڑھا کر دے۔ وہ بولے تو پھر آپ گواہ رہیں میں اپنے دو کھجوروں کے باغ اللہ کو قرضِ حسنہ دیتا ہوں۔ نبیؐ نے فرمایا کہ نہیں ایک تم خود رکھو اپنے گھر والوں کے لئے اور ایک اللہ کی راہ میں دو۔ (اس سے اسلام کا مزاج سمجھ میں) آتا ہے کہ یہ نہیں کہ سب کچھ باہر دے دو اور گھر والوں کے لئے کچھ بھی نہ ہو۔ گھر والوں کا بھی حق ہے۔) یہ سُن کر انہوں نے کہا کہ پھر میں اپنا وہ باغ اللہ کی راہ میں دیتا ہوں جو زیادہ قیمتی ہے۔ (زیادہ اور بہترین کھجوروں والا)۔ گھر گئے، بیوی کو آواز دی کہ باہر آ جاؤ۔ میں نے یہ سب کچھ اللہ کو قرضِ حسنہ میں

دے دیا ہے۔ وہ نیک بخت بولی۔ آپ نے بہت اچھا سودا کیا۔ (یہ ایک آئیڈیل دور تھا۔ نیک مردوں کی نیک بیویاں)۔ گھر سے باہر نکلنے لگیں تو بچے کے ہاتھ میں ایک کھجور تھی۔ (بچے کا نام دردہ تھا، بیوی کو اُمِّ دردہؓ کہتے تھے۔) تو بچے سے کھجور واپس رکھوادی کہ ہم نے یہ باغ اللہ کو دے دیا ہے اس پر ہمارا حق نہیں ہے۔

یہ صرف ایک سوچ ہے۔ جب آپ کو پتا ہو کہ مانگنے والا ہم سے زیادہ امیر ہے تو آپ اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں کہ فلاں نے مجھے اس قابل سمجھا کہ مجھے کچھ کہا۔ کوئی بہت امیر کچھ مانگے تو ہم خوشی سے دیتے ہیں۔ کوئی صدر یا وزیر کوئی کام کہے تو ہم خوشی سے کریں گے اور اگر ہمارا نوکر کوئی کام کہے تو؟

آج سے ہم نے یہ بات نوٹ کرنی ہے کہ اگر اللہ کا کوئی خرچ ہمارے سامنے آئے تو ہمارا رویّہ کیسا ہونا چاہئے؟ وہ اللہ جو مالک یوم الدین ہے۔ ہمیں خوشی سے اپنا حصّہ ڈالنا چاہئے۔

ہمارے پاس جو تھوڑا سا کچھ ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور عاجزی سے کہیں کہ یا اللہ تیرا اور میرا سانجھا کاروبار ہے۔ میری طرف سے یہ قبول کرلے۔ یا اللہ مجھے اپنے ساتھ کاروبار میں حصّہ دار بنا لے۔

اللہ کا دین دو طرح سے بلند ہوتا ہے۔ ایک جہاد سے اور ایک اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے۔

جب دشمن آجائے تو لڑائی سے اور جب دشمن نہ ہو تو قلم سے جہاد۔ جو قوم علم پر خرچ کرتی ہے اس کو ہتھیاروں پر خرچ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

مسلمانوں کی حکومت تھی لیکن مسلمان عیش پسند ہوگئے۔ بغداد پر منگولوں نے حملہ کر دیا۔ وقت کے خلیفہ کو قید کرلیا گیا۔ دو تین دن بھوکا پیاسا قید خانے میں رکھا۔ پھر منگول بادشاہ کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ پھر اُس کے سامنے ایک سونے چاندی سے بھرا طشت رکھا گیا کہ اسے کھاؤ۔ خلیفہ نے کہا یہ کوئی

کھانے کی چیز ہے؟ منگول سردار نے کہا کاش یہ بات تمہیں پہلے سمجھ آجاتی تو تم اسے اللہ کے دین کے لیے اور اللہ کی مخلوق پر خرچ کرتے تو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔

یاد رکھیں کہ جب مسلمان اپنا مال اپنے آپ پر۔ اپنی آرزوؤں پر۔ اپنی خواہشات پر خرچ کرے گا تو ہلاکت میں جائے گا۔

پھر آگے فرمایا جارہا ہے کہ کمی بیشی اللہ کے اختیار میں ہے وہ چاہے تو اتنی برکت ڈال دے کہ تھوڑا بھی زیادہ ہو جائے۔" اور خدا ہی روزی کو تنگ کرتا اور (وہی اسے) کشادہ کرتا ہے۔" کبھی انسان کے پاس اتنا کچھ ہوتا ہے لیکن ضائع ہو جاتا ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ موت سے ڈر لگتا ہے انہوں نے فرمایا اپنی پسند کی چیزیں اللہ کی راہ میں دینا شروع کردو، آگے پہنچادو، پھر ڈر نہیں لگے گا۔ کیونکہ من پسند چیزیں آگے پہنچ چکی ہونگی۔

ہم نے یہ چیزیں سیکھ لیں؛ موت وحیات کا مالک اللہ ہے۔ سورۃ نساء آیت 78: اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يُدۡرِكْكُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُرُوۡجٍ مُّشَيَّدَةٍ‌ ؕ (اے جہاد سے ڈرنے والو) تم کہیں رہو موت تو تمہیں آکر رہے گی خواہ بڑے بڑے محلوں میں رہو۔۔۔

پہلی بات یہ کہ دین کے کاموں سے نہیں رکنا۔ دین کے لئے جو ہم چھوٹی سی کوشش کرتے ہیں اُس میں بھی اللہ کی مدد آجاتی ہے۔ وہ موت کتنی حسین ہوگی جو خالق اور مالک کی رضا میں آئے گی۔

دوسری بات یہ کہ مسلمان جہاد سے منہ پھیرتے ہیں تو اللہ دوسروں کو اُن کے اوپر کر دیتے ہیں۔ مشرکین کا رعب طاری ہو جاتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ جو مال ہم سنبھال کر رکھتے ہیں۔ وہ دوسروں کو مل جاتا ہے۔ بعض اوقات اُس سے ہمارے دشمن فائدہ اُٹھاتے ہیں۔